ایک ایکٹ کا ڈراما۔

پہلا منظر

کلکتہ۔ چترنجن اوینیو میں ایک عمارت کی تیسری منزل پر ایک کمرہ۔ ریڈیو پر دلی کا پروگرام ابھی ختم ہوا ہے یا کیا گیا ہے۔ ایک قوال نے حضرت خواجہ میر درد دہلوی کی مشہور غزل گائی ہے۔ اس کا ایک شعر کلیم گنگناتا اور آپ ہی آپ بڑبڑاتا ہے۔

دریا رود از چشم، لب تر نہ شود ہرگز
ایں طرفہ تماشا ہیں تشنہ است بہ آب اندر

سلوک، طریقت، حقیقت، معرفت، فراق و وصل، فنا بقا یا بقائی الفنا کے مفہوم نہ میں جانتا ہوں نہ جاننے کی ضرورت اور فرصت۔ میں تو اس شعر کے معنی یہ سمجھتا ہوں کہ میرے دماغ میں فن زرگری کے سارے رموز او نکات بھرے ہیں، میری اٹیچی میں تجارت اور معاشیات کی اوّل درجے کی شاندار سندیں پڑی ہیں۔ پھر بھی معاش کا دروازہ مجھ پر مسدود ہے۔ فضا تاریک ہے، راستہ دکھائی نہیں دیتا کدھر جاؤں۔ دولت کہاں پاؤں، دولت؟ کمرے کا کرایہ کہاں سے ادا کروں؟ سمندر میں کشتی پر پیاسا ہوں۔ پانی میں ہوں اور پی نہیں سکتا۔ زراعت، تجارت، صنعت حرفت کی بنا، پیدائش، نشوو نما، عروج و کمال اور تمام جزئیات سے باخبر ہوں، ہر کاروبار کے مقام، مخرج، مرکز، منڈی، لاگت، نفع نقصان، اعداد و شمار کا حافظ ہوں اور کر کچھ نہیں سکتا۔ ہر اقدام کچھ نہ کچھ سرمایہ چاہتا ہے اور کچھ نہیں تو سیاحت کے اخراجات۔ دس بجے مالک مکان کا کارپرداز آخری بار بل لئے آئیگا اور میرا بوریا بستر سڑک پر ڈال کر کمرہ مقفل کر دیگا۔ قانونی حجت تو اب بھی نکل سکتی ہے مگر اس کمبخت کے گورکھا پیادوں کے سامنے قانون کیا چیز ہے۔ اور قرضدار کی حیثیت سے باقی کے لئے الجھنا اور ہنگامہ برپا کرنا ذلیل سی بات ہے۔

دس بجنے میں دس منٹ رہ گئے ہیں۔ بڈھا آیا ہی چاہتا ہے۔ کمرے میں قفل لگا کر باہر نکل جاؤں۔ نہیں، یہ بزدلی ہے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ اچھا چچا۔

ریڈیو کو چلتا کر کے کمرہ کھلا چھوڑ باہر نکل جاتا ہے۔ محبوب جان کا گانا گونج رہا ہے۔

منصور زینے پر ریڈیو کا گانا سنتا ہوا چڑھتا اور بکتا جاتا ہے ——

یار کلیم یہ ٹھیک ہے ؎

در وقت تنگدستی در عیش کوش و مستی
کایں کیمیائے ہستی قارون کند گدا را

(اُوپر پہونچکر باہر ہی سے) دولت کے نسخوں میں یہ نسخہ تم نے معاشیات کے نصاب میں نہ سیکھا ہوگا۔ بارے اب سیکھ گئے۔ ہیں؟ کلیم کلیم کلیم۔ کدھر گئے یار؟۔

چاروں طرف دیکھتا ہے پہلو کا کمرہ مقفل ہے۔ ڈیسک کے دراز سے سگریٹ نکال کر پینے لگتا ہے۔ خبروں کے پروگرام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ سوئی پھرا پھرا کر مختلف مقامات سے مختلف خبریں سنتا ہے کلیم داخل ہوتا ہے۔

منصور۔ کلیم بھئی واہ، کمرہ کھلا چھوڑا اور ریڈیو چلا کر غائب ہو جانا نئی وحشت ہے۔ کہاں تھے؟۔

کلیم۔ یار جاتا کہاں۔ مالک مکان کا کارپرداز دس بجے آنے والا اور میرا فیصلہ کرنے والا تھا۔ میں نے نکالے جانے یا قفل لگا کر غائب ہو جانے سے زیادہ باعزت طریقہ اختیار کیا۔ تمہارے سامنے تو آیا ہوگا۔ کیا ہوا؟۔

منصور۔ میں نے کسی کو یہاں تو نہیں پایا۔ مگر اب خیال آتا ہے کہ ایک بڈھا بنگالی دو گورکھا پیادوں کے ساتھ مجھے نکڑ پر ملا تھا وہ شاید یہاں سے لوٹ کر جا رہے تھے۔ خیر کچھ دیر کیلئے یہ بلا تو ٹل گئی۔ اب کیا ارادہ ہے؟۔

کلیم۔ بے زر ارادہ کیا کر سکتا ہے؟" بھکاری اختیار و انتخاب نہیں کیا کرتے" ارادے تو جب بتاؤں کہ کچھ روپے جیب میں آجائیں ؎

پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے

تمہیں کچھ کہو۔

منصور۔ کہنے کو تو میں سب کچھ کہتا اور سینکڑوں عملی تدبیریں بتاتا ہوں مگر تم فیشن میں سب ٹال دیتے ہو۔

کلیم۔ تم مجھے چوری اور بے ایمانی کے طریقے بتاتے ہو۔ معاشیات میں ایم اے کر کے کبھی اگر میں نے کسب معاش کے ذلیل طریقے اختیار کئے تو تعلیم میں

میری مغز پاشی بارہ برس دلّی میں رہ کر بھاڑ جھونکنا ہوا۔

منصور۔ مجھے یہی تو رونا ہے۔ معاشیات کے سب سبق تم نے پڑھ لئے مگر اصل بھید نہ سیکھا۔ مجھے تم کسی کامیاب کاروبار یا کارخانہ کا پتہ نہیں دے سکتے جس کو ناجائز ہتھکنڈوں یا بے ایمانیوں کے بغیر فروغ ہوا ہو۔ ادنیٰ اب طاخانہ سے لیکر اعلیٰ صحافت تک بازاروں میں مہینوں پھرنے کے بعد اگر تم نے یہ بھی نہ دیکھا تو کچھ نہ سیکھا۔

کلیم۔ یہ سچ ہے " پر طبیعت ادھر نہیں آتی "

منصور۔ نہیں آتی تو اپنی معاشیات کے علم کو لپیٹ کر طاقِ نسیاں میں رکھدو۔

کلیم۔ پھر کیا کروں؟ چھوٹے ابا کے اصرار کے باوجود میں نے پروفیسری سے انکار کر دیا۔ پانسو روپے دیکر انہوں نے مجھے یہاں کی تجارت گاہوں کا تجربہ اور واقفیت حاصل کرنے کو بھیجا تھا۔ ختم ہوگیا۔ تین سو پھر بھیجے۔ وہ بھی ختم ہوگیا اور کسی کام کا اور چھور نہ ملا۔ کمروں کا تین ماہ کا کرایہ سر پر سوار ہے اور ہوٹل کا بل۔ اس آٹھ سو کے آگے ایک پیسہ دینے سے انکار کر چکے ہیں۔ اور مانگوں بھی تو کس سے؟ وہ ممالک اسلامیہ سے ہوتے ہوتے جاوا اور مالدیپ سنگلدیپ میں اسلامی آثارِ صنادید کی تفتیش میں مصروف ہیں اور اسی سنک پر اپنی کمائی لٹا رہے ہیں۔

منصور۔ خُوب یاد دلایا۔ ان کے وارث تو تمہیں ہو۔

کلیم۔ ہوں تو وارث میں ہی۔ مگر اُن کی دولت تو اُن کے مرنے کے بعد ملیگی۔ وہ ابھی صحیح تندرست ہیں۔ ممکن ہے دس بیس برس اور زندہ رہیں اور اللہ اُن کا سایہ میرے سر پر قائم رکھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس غیر محدود مدت میں میں کیا کروں؟

منصور۔ ان کی زندگی کا بیمہ تو کثیر رقم پر ہوا ہوگا اور اس کے وارث بھی تم ہی ہوگے؟

کلیم۔ ہاں پچاس ہزار پر، اور وارث میں ہی ہوں۔

منصور۔ اس کی میعاد کیا ہے اور قسط ادائی ریمیم کس قدر؟

کلیم۔ میعاد کو پانچ سال باقی ہیں اور قسط پانچسو سہ ماہی۔

منصور۔ اتنی بڑی قسط بیمہ کمپنی کی نذر ہوا کرے۔ تم وارث اور آج نانِ شبینہ کے محتاج! خدا کی مار ان بیمہ کمپنیوں پر۔ کس عیاری سے کروڑوں روپے بناتی ہیں۔ کیا ان گرہ کٹوں کی گرہ کاٹنا بھی تم جرم سمجھتے ہو؟

کلیم۔ ان کا منافع تو واقعی غیر معتدل ہے۔ ہے تو یہ جوا کھلانے کا کاروبار اور ان کو دھوکا دینا معاشی نقطۂ نظر سے کوئی بڑا جرم نہیں۔ تو تم کیا صورت سوچتے ہو؟

منصور۔ بڑے میاں کو مار ڈالو۔

کلیم۔ پھر زبان سے یہ کلمہ نہ نکالنا۔ وہ میرے چچا ہی نہیں باپ ہیں جو مجھے یتیم چھوڑ گئے اور میری پرورش اور تعلیم و تربیت اُن کے ذمہ رہی۔ باولد ناخواستہ دُنیا کی شرم سے نہیں۔ لاولد ہیں اور مجھے اپنی صلبی اولاد سمجھتے ہیں اور میں نے بھی باپ اُنہیں کو دیکھا اور سمجھا۔ مجھے یہ کون مرجانا منظور ہے مگر یہ منظور نہیں کہ میرے ہاتھ سے ان کا بال بیکا ہو۔ منصور، یہ تم کیا کلمہ نکال بیٹھے؟ میں تمہیں اتنا نہ سمجھتا تھا۔

منصور۔ کلیم دس برس کی دوستی پر بھی تم نے میری نسبت اتنی ذلیل رائے قائم کی؟ تمہیں معافی مانگنا پڑے گی اور میں معاف کر دونگا کیونکہ میرے الفاظ میں غلط فہمی کی گنجائش کا فی تھی — مرد آدمی میری مُراد خدانخواستہ یہ نہ تھی کہ تم واقعی چچا کو مار ڈالو۔ بلکہ کمپنی کے لئے مار ڈالو۔ اُسے یقین دلا دو کہ وہ مر گئے۔ سابق جج اور متوفی جج میں فرق ہی کیا ہے؟ جو آثار صنادید کی تلاش میں کھنڈروں اور ٹیلوں پر مارا پھرے وہ خود عہد ماضی کا فرد ہے۔ اس زمانہ سے اُسے کام کیا؟ اس زمان اور مکان میں تو ایسی معتبر مقدس ہستی مرحوم و مغفور ہی ہے۔ ابھی شاید وہ ہندوستان تو عرصہ تک واپس نہ آئینگے؟

کلیم۔ غالباً نہیں۔ ابھی انہیں مصر اور تیونیشیا مراکش، طرابلس سے اگر داخلہ کی اجازت ہوتی، ہوتے ہوئے مدینہ طیبہ اور آخر میں مکہ معظمہ جانا ہو۔ نجد و یمن کی سیاحت کا خیال بھی ہے۔ اکیلی ذات ہے، یہ بھی ممکن ہے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کرلیں۔ مگر یہ کمپنی کیلئے اُن کو مارنے کی بجو اس میں نہیں سُن سکتا۔

منصور۔ پھر تو کام بہت آسان ہے کبھی پکڑے بھی نہ جاؤ گے۔ پنشن تو یکشت وصول کر ہی لے گئے ہونگے؟

کلیم۔ ہاں۔ مگر وفات کے ثبوت میں ڈاکٹر کی چشم دید شہادت ضروری ہے وہ کہاں سے آئیگی؟"

منصور۔ سب مہیا ہو جائیگی۔

دونوں سوچنے لگتے ہیں پھر سرگوشیاں ہوتی ہیں۔

دوسرا منظر

تیسری صبح۔ وہی منظر۔ ڈاکٹر بنرجی داخل ہوتے ہیں۔ اور کلیم اور منصور کے ساتھ پہلو کے کمرے میں جاتے ہیں۔ ایک ضعیف و ناتواں بوڑھا پلنگ پر پڑا کھانس اور کراہ رہا ہے۔ ڈاکٹر بنرجی اُسے اچھی طرح جانچتے ہیں۔

ڈاکٹر بنرجی۔ مسٹر کلیم آج میں خوشی سے یہ اعلان کرنے کے قابل ہوں کہ آپکے

بچا کی حالت اُمید افزا ہے۔ تپ ۱۰۹۹ ہے، نبض کی رفتار معتدل ہے۔ پھیپھڑے بہت کچھ صاف ہو چکے ہیں۔ اگر ۲۴ گھنٹے اور اسی حالت پر قائم رہے اور غشی کا دورہ نہ ہوا تو ان کی نئی زندگی یقینی ہے۔ پینے اور مالش کی وہی دوا جاری رہیگی۔ طاقت کے لئے ایک نئی دوا لکھے دیتا ہوں۔ اور یہ انجکشن کی دوا لکھ دی ہے اسے کل تیار رکھئے گا۔ خدا حافظ۔ (چلا جاتا ہے)

کلیم:۔ فیس تو اُدھار رہی۔ دواؤں کے دام کہاں سے آتے ہیں؟

منصور:۔ تم دواؤں کے دام کو جھک رہے ہو، مجھے یہ فکر ہے کہ یہ کمبخت اچھا ہوا جاتا ہے اور بنا بنایا کھیل بگاڑے دیتا ہے۔ دیدو کمبخت کو زہر۔

کلیم:۔ یہاں تو چوہے مارنے کے زہر کے بھی دام نہیں۔ ناحق یہ بلا جانے تم کہاں سے اٹھالائے۔ اب تو یہ ڈھول گلے پڑا ہے تو بجانا ہی ہے۔ میں اسے مار نہیں سکتا۔ بدی کی نیت سے ہی کوئی نیکی ہو جائے تو زہے قسمت!

منصور:۔ ارے میاں، تم نہیں جانتے کہ یہ کیا بلا ہے۔ یہ پرانا مجرم دس بار کا سزا یافتہ ہے۔ ڈکیتی، چوری، قمار بازی کی سزائیں بھگتتے بھگتتے اب جو بوڑھا لاچار ہو گیا تو کالی گھاٹ میں بھیک اور چڑھاوے اور لنگروں کے پس خوردہ پر بسر کرتا تھا۔ یہ بیمار بیہوش سڑک کے کنارے پڑا تھا میں رکشا میں اُٹھا لایا۔ اس کے ہوش و حواس بجا ہوئے اور طاقت عود کر آئی تو نہ جانے کیا کیا مصیبتیں کھڑی کر دے۔ اگر مارتے نہیں تو کم سے کم جلد سے جلد اس سے پیچھا چھٹاؤ۔

کلیم:۔ جو کچھ بھی ہو اس حال میں اُسے دھکیل کر سڑک پر ڈال دینا تو گوارا نہیں کر سکتا۔

اندر سے آواز آتی ہے۔ آگے آگے کلیم پیچھے پیچھے منصور پہلو کے کمرے میں جاتے ہیں اور مریض کے بستر پر جھکتے ہیں۔

بوڑھا:۔ میں کہاں ہوں حجور؟ یہ جیل ہے یا ہسپتال؟ اللہ سب کا بھلا کرے۔

کلیم:۔ بابا نہ یہ جیل ہے نہ ہسپتال۔ تم سڑک پر بیہوش پڑے مر رہے تھے، ہم تمہیں اپنے گھر اُٹھا لائے۔ اب تم اچھے ہو۔ ڈاکٹر کہتا ہے تم خطرے سے بچ گئے۔

بوڑھا:۔ اللہ سب کا بھلا کرے۔ ایک بیڑی دینا بابا۔

کلیم:۔ ڈاکٹر نے تم کو بیڑی پینے کو منع کیا ہے۔ تم کو نمونیا ہے۔

بوڑھا:۔ کیا کہا بابا ننموہیاں؟ پٹنہ میں۔ جہاں بڑے مولوی صاحب تھے میں وہاں رہا ہوں۔ نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے سُنا بھی نہیں ہے۔ بیڑی دینا بابا۔

منصور:۔ یہ ہمیں پولیس افسر سمجھتا ہے اور اس مقام ننموہاں یا ننموہیاں میں اس نے ضرور کبھی چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے۔ جبھی بے خیالی میں کھکر گھکر رہا ہے۔ تیزی سے اس کے حواس لوٹ رہے ہیں۔

گھنٹی بجتی ہے۔ کلیم اور منصور صدر کمرے میں لوٹ آتے ہیں۔ بوائے ملاقاتی کارڈ لاتا ہے۔

کلیم:۔ "مسٹر اے ٹی دت نمائندہ ربر پاپوش کمپنی لمٹیڈ کلکتہ بمبئی دہلی"! سلام بولو۔

ایک جنٹلمین لاغر اندام، سیاہ فام، چھوٹی آنکھوں اور بڑے دانتوں والا ہینڈ بیگ لئے داخل ہوتا ہے۔ صاحب سلامت ہوتی ہے۔

کلیم:۔ میں نے اس کارخانہ کا نام آج پہلی بار سنا۔

دت:۔ ابھی یہ کھلا نہیں، زیر تجویز ہے۔ پانچ لاکھ کے مجوزہ سرمایہ میں سے تین لاکھ کے حصے گرم کیک کی طرح فروخت ہو چکے۔ چار چار آنے کو پورے قد کے ربر کے جوتے مہیا کرنے کی اسکیم اس قدر مقبول عام ہو رہی ہے کہ ہم اب سرمایہ سے مطمئن ہیں۔ اگلے مہینے کام شروع ہو جائے گا۔ جاپان کا ایک ماہر آگیا ہے۔ دوسرا امریکہ سے آنے والا ہی ہے۔ راجہ صاحب ہری پاڑا نے دس ایکڑ زمین عطا کی ہے اور پچاس ہزار کے حصے خریدے ہیں۔ میں اسی عمارت کے قطعہ نمبر ۲۱ میں رہتا ہوں۔ آپکے نشان کی تختی سے آپ کو اعلیٰ تعلیم یافتہ جنٹلمین سمجھ کر اور پڑوسی کی حیثیت سے مناسب سمجھا کہ آپ کو اس سُنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دوں۔

منصور:۔ ڈائرکٹروں کے نام کیا ہیں؟

دت چھپا ہوا کاغذ نکال کر پیش کرتا ہے۔ منصور لیکر ایک نظر ڈالتا ہے۔

راجہ صاحب بلوپورہ بال بال قرض سے بندھے ہیں۔ جائداد گورنمنٹ کے زیر انتظام آنے والی ہے۔ ڈائرکٹروں کی فہرست میں ان کا شمول اور ان کے نام کے آگے چالیس ہزار کے حصوں کی خریداری! آگے چلئے۔ راجہ صاحب ست نگر کرشن کمار سین پچھلے سال قضا کر چکے۔ بابو صاحب آپ نے کسی پرانی فہرست سے یہ کاغذ تیار کیا ہے۔ عیب کرنے کا ہنر بھی نہ آیا۔ جائیے یہ جال کہیں اور پھیلائیے۔ آپنے غلط شکار چنا ہے۔

دت کڑوا منہ بنائے کچھ بڑبڑاتا نکل جاتا ہے۔

زینوں سے نیچے پہونچکر دت اشارے سے بوائے کو بلاتا ہے اور ایک چونی دے کر:۔

میرا کام ہو گیا۔ لو یہ تمہارا بخس (بخشش) ہے۔ اچھا بولو تمہارا صاحب کے روم میں روج روج ڈاکٹر کس واسطے آتا ہے۔ کون بیمار ہے؟ ہم تو کوئی

بیمار نہیں دیکھا۔

نواب:۔ وہ دوسرا کمرا میں ہے۔ میرے صاحب کا دوست منصور بابو ہفتہ روج ہوا اس کو کہیں سے رکشا پر اُٹھا لایا ہے۔ پھکیر دیکھ پڑتا ہے۔ سسرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ دوا لاؤ، پھل لاؤ، دودھ لاؤ۔ رات کو جاگ جاگ کر اسکو ٹھنساؤ۔ ہم تو سو جاتا، مگر صاحب کھد جاگتا ہے ہم کیا کرے۔ سسرے کے پاؤں تک دابتا ہے، پنکھا کرتا رہتا ہے۔

تیسرا منظر

بھوانی پور کی سڑک۔ دت ٹرام کا منتظر کھڑا ہے۔ پیچھے دو فقیر باتیں کر رہے ہیں۔ دت کان لگاتا ہے۔

پہلا فقیر:۔ بڈھا کلو آج ایک ہفتہ سے غائب ہے۔ خبر نہیں کس جہنم میں جا پڑا۔

دوسرا فقیر:۔ مر گیا ہوگا سالا۔

پہلا:۔ پھر اُس کی لاش کیا ہوگئی؟ نہ کسی کو اُٹھاتے دیکھا نہ چیل کوّوں کو کھاتے، ضرور کوئی اُسے اُڑا لے گیا۔

دوسرا:۔ نہ وہ کوئی جوان عورت تھا نہ سونے کی تھالی۔ اس کی سوکھی ہڈیوں کو تو گدھ اور چیل کوّے بھی نہ پوچھیں۔

پہلا:۔ لے تو کیا جانے۔ تیرے باپ کو پتہ نہیں کہ وہ کیسی سونے کی چڑیا تھا۔ تو اندھا بنتے بنتے سچ مچ اندھا ہوگیا۔

دوسرا:۔ تو کہاں کا لنگڑا ہے۔ ایک ٹانگ موڑے بیساکھی پر پھرنے سے لنگڑا بن گیا۔

پہلا:۔ اچھا بھیا نہ تو اندھا نہ میں لنگڑا۔ بلکہ ہم دوسروں کو اندھا بناتے ہیں۔ اس میں لڑائی کیا ہے؟ تو نے پوری بات سُنی نہیں اور گرم ہو گیا۔ کاٹا اور لے دوڑی۔

دوسرا:۔ نا بھیا۔ بگڑنا کیسا۔ سچ مچ کے مجبور نہ سہی فقیر تو ہیں۔ فقیر بگڑیں گے کیا؟

پہلا:۔ اچھا تو سُن۔ کلو ویسے تو ایک ایک پیسہ کے لئے ایک ایک میل راہگیروں کا پیچھا کئے چلا جاتا ہے اور بمبوں کے پھینکے ہوئے جھوٹے کھانوں پر بسر کرتا ہے لیکن اس کے پاس ایک ہانڈی اشرفی ہے ایک ہانڈی۔ جو اُس نے کہیں گاڑ دی ہے۔ کہاں گاڑی ہے خبر نہیں۔ ایسے شخص کو کوئی اُڑا لے جائے تو [illegible] کی کیا بات ہے؟ پتہ لگانا چاہتے۔ اتنا دھن غیروں کے ہتھے چڑھ جائے اور ہم اُس کے ساتھی آنکھوں پر پٹی اور پاؤں میں لتا باندھے بارش دھوپ ٹھنڈ میں زندگی کاٹیں! یہ نہیں ہوسکتا۔ ہم پتہ لگا چھوڑیں گے۔

دت:۔ (آپ ہی آپ) اچھا مسٹر کلیم کے ٹھاٹھ کا بھید یہی معلوم ہوتا ہے جیسا ذلیل کرکے ان دونوں نے مجھے نکالا ہے میں مزا چکھاتا ہوں۔ پولیس کو تفتیش میں لگاتا ہوں۔ بچہ جی کو کڈنیپنگ اور چوری میں چالان نہ کروایا تو اسو توش دت نہیں چمار۔

ٹرام سامنے آتی ہے دت سوار ہو جاتا ہے

چوتھا منظر

شام۔ ایڈن گارڈن۔ مسز اور مس لیسی ایک بنچ پر۔

مسز لیسی:۔ مسٹر کلیم کیا ہوگئے روزی؟ ایک ہفتہ سے اُن کا پتہ نہیں۔ آج تمہاری سالگرہ کے دن بھی نہ آئے۔ ان کا پتہ تو معلوم ہوگا۔

مس لیسی:۔ جی ہاں۔ اُنہوں نے مجھے ایک اچھی سی سونے کی رسٹ واچ آج کے دن نذر کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

مسز لیسی:۔ آج کل کے جوانوں کے وعدوں کا اعتبار ہی کیا۔

مس لیسی:۔ مگر اماں مسٹر کلیم ان نوجوانوں میں نہیں۔ کتنے تحفے وہ مجھے دے چکے۔ ایک گھڑی کے لئے وہ مُنہ چھپانے والے نہیں۔ ضرور کوئی بات ہے۔ دریافت کرنا چاہیئے۔

مسز لیسی:۔ خط بھیجا جائے۔

مس لیسی:۔ نہیں وقت زیادہ صرف ہوگا۔ اور کیا معلوم کس کے ہاتھ پڑ جائے۔ میں خود جاؤں گی۔

مسز لیسی:۔ تم تنہا؟ نہیں پیاری یہ غدار شہر ہے۔ اس کے پیٹ میں کیا کیا بلائیں بھری ہیں اور کس دم نکل پڑتی ہیں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ نا میں تمہیں اکیلی جانے کی صلاح نہ دونگی۔

مس لیسی:۔ آپ بھی اماں کیا باتیں کرتی ہیں۔ اچھا ساتھ چلئے آپ نیچے ہی ٹھہریگا میں جاکر کمرے میں دیکھوں گی۔ موقع کے موافق آپ کو بُلا لونگی یا ہم لوٹ آئینگے۔ خدا کرے بیچارے خیریت سے ہوں۔

پانچواں منظر

کلیم کا کمرہ

منصور:۔ کلیم تم بالکل جذباتی ہستی ہو، غیر عملی۔ میں کہتا تھا یہ بڈھا فقیر تمہارے کام کا نہیں رہا تو اسے جلد سے جلد دُور دفان کر دو۔ تم نے ترس کھا کر اُسے رہنے دیا۔ اب بے محنت مشقت لطیف اور مقوی غذائیں کھا کھا کر مرنے کے عوض شاید بیماری کے پہلے سے بھی زیادہ تندرست اور مضبوط ہوگیا۔ اور جانے کا نام نہیں لیتا۔ کل افیون کی فرمائش بھی تھی۔ اب تو وہ ہسپتال جانے پر بھی راضی نہیں۔ پندرہ روپے نقد لے کر گھر سے کہیں اٹھ جانے پر آمادہ

ہے مگر ہسپتال نہ جانے گا۔ آخر یہ رشوت کیوں طلب کرتا ہے۔ یا تو اُسے ہماری
نیت کا کچھ اندازہ مل گیا ہی۔ یا ہمیں بڑا سیٹھ سمجھتا ہی۔
کلیم:۔ ہم تو پندرہ روپے دیکر بھی اسے دفع کر دیں مگر اب پیسے کہاں ہیں۔
میری جیب تو خالی تھی ہی اس کمبخت کی تیمارداری نے تمہاری جیب بھی خالی
کر دی۔ (گانے لگتا ہے)

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھائے نہ بنے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
اس نزاکت کا بُرا ہو! وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو اُنہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
بکتہ چیں ہے غم دل اس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

منصور:۔ اب تم پہونچ گئے روزالیس کے پاس۔ سخت احمق نامعقول ہو۔
تمہیں اس وقت گانے کی سوجھی ہے اور سر پہ آفت کھڑی ہو۔
کلیم:۔ آفت تو آتی ہی جاتی رہیگی۔ مگر اس فقیر نے ایک ہفتہ سے روزی
کے دیدار سے محروم کر رکھا ہے۔ اسے خوب یاد آیا کل اس کی سالگرہ کا دن
تھا جانے دل میں کیا کیا خیال کرتی ہوگی۔ منصور تم جو کہو دل کی گہرائیوں
میں مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ کسی کے کام آگیا۔ ایک مرتا فقیر ہمارے
ہاتھ سے بچ گیا۔ کم سے کم اتنا اطمینان تو ہو گیا کہ چھوٹے ابا کبھی میرا جیب
خرچ بالکل بند کر دیں تو میں اسی طرح فوٹ پاتھ پر جا پڑوں گا۔ اور میری
طرح کسی گدھے کے جی میں آہی جائے گا کہ مجھے اسی طرح گھر اُٹھا لیجائے
منصور:۔ تمہیں شاعری اور دل لگی سوجھ رہی ہے۔ یہاں سر سے آئی
ہوئی بلا ٹالنے کا سوال ہے۔ تمہارے یہ چچا جان تمہیں کو چچا بنائے دیتے
ہیں۔

ڈاکٹر بنرجی داخل ہوتے ہیں۔

یہ دوسری مصیبت ہیں۔ آداب عرض ہے۔ آئیے ڈاکٹر صاحب۔
ڈاکٹر:۔ تسلیم۔ کہیے علیم الدین صاحب تو بالکل اچھے ہیں؟
کلیم:۔ جی ہاں آپ کی عنایت سے بالکل اچھے ہیں۔
ڈاکٹر:۔ میں ایک مریض کے ہاں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا ذرا آپ کے چچا کو
دیکھتا جاؤں۔

پہلو کے کمرے سے چلا جاتا ہے
تار کا پیادہ داخل ہوتا ہے۔ تار دیتا ہے۔ کلیم پڑھتا ہی۔

کلیم:۔ لو بھئی مرے پہ سو دُرّے۔ (پڑھتا ہے) "بالکل اچھا ہوں۔ مزید سیاحت
ملتوی۔ منگل کی شام کو کلکتہ پہونچونگا" یہ تار چچا نے بمبئی پہونچکر دیا ہے۔
بہت تنگ وقت میں۔ اب کیا ہو؟ وہ مرگ ناگہاں کی طرح پہونچا ہی چاہتے
ہیں اور یہ چچا اب تک سر پر سوار ہے اور ساتھ ہی یہ بیہودہ ڈاکٹر۔
منصور:۔ کم سے کم ڈاکٹر کو تو رخصت کر دیا جاتے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی
موٹر رکا۔ وہ ہارن بجا۔

مُنہ کھولے ایک دوسرے کو دیکھتا ہی۔ بوا داخل ہوتا ہی

بوا:۔ ایک مہمان آتے ہیں۔
کلیم:۔ سلام دو۔

ایک موٹے تازے بزرگ شیروانی، ترکی ٹوپی، اوسط
ڈاڑھی، سپے تُلے قدموں سے داخل ہوتے ہیں۔ پیچھے
پیچھے اُن کا ملازم اور بوا نے سامان لئے آتا ہے۔

کلیم:۔ آداب عرض کرتا ہوں ابا۔
علیم الدین:۔ علیکم السلام۔ جیتے رہو بیٹا۔ منصور؟ اچھے ہو بیٹے؟۔

دونوں سے گلے ملتے ہیں

کلیم:۔ آپ کا تار ابھی اسی دم ملا ہے۔ بمبئی در کنار ہمیں اسٹیشن تک بھی قدموں
کو حاضر ہونے کا موقع نہ دیا۔ اور یکایک مراجعت کا باعث کیا ہوا خیر تو ہی؟
علیم الدین:۔ سب خیر ہے۔ باطمینان باتیں ہونگی۔ غلام حقہ تیار کرو۔

کپڑے اتارنے لگتے ہیں۔
پہلو کے کمرے سے ڈاکٹر نکل آتا ہے

ڈاکٹر:۔ کلیم صاحب علیم الدین صاحب بالکل صحیح ہیں۔
علیم الدین:۔ (حیرت سے مُڑکر) تسلیم۔ بالکل اچھا ہوں۔ یہ کون صاحب ہیں
کلیم، آپ کی تعریف کرو۔
کلیم:۔ جی یہ ڈاکٹر اتول چندر بنرجی ہیں۔ آپ میرے چچا مولوی علیم الدین سشن
جج وظیفہ خوار ہیں۔ ابھی بیرونی ممالک کی سیاحت سے واپس تشریف لاتے ہیں۔
ڈاکٹر:۔ اور یہ مریض بزرگ بڑے چچا ہیں۔ مگر نام ایک ہی ہیں یا میری سمجھ کی
غلطی ہے۔
علیم الدین:۔ یہ مریض چچا کون ہیں؟
منصور:۔ جی عرض کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آپ کی توجہ کا بہت بہت شکریہ۔
اب کسی دوا کی ضرورت تو نہیں؟
ڈاکٹر:۔ نہیں۔ صرف وہ مقوی دوا جاری رکھی جائے۔ اور ابھی دو روز اور
بے سہارے بیٹھنے نہ پائیں۔ اس مرض میں قلب بہت کمزور ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر رخصت ہوتا ہے۔
اندر سے آواز آتی ہے "ایک بیڑی ملے گی بابا؟" کلیم اندر
چلا جاتا ہے۔

منصور:۔ حضور واقعہ یہ ہے کہ ایک فقیر فٹ پاتھ پہ بیہوش پڑا تھا۔ کلیم ترس

کھاکر اسے اُوپر اُٹھوالائے۔ اس کا نام بھی اتفاق سے علیم الدین ہے۔ ایک ہفتہ کے علاج اور تیمار داری کے بعد اب یہ خطرے سے محفوظ ہے۔ پھر بھی پورے ہوش دُرست نہیں۔ کبھی کبھی بے جوڑ باتیں بول جاتا ہے۔

علیم الدین۔ شاباش بیٹا کلیم کدھر گئے؟ (کلیم اندر سے آجاتا ہے) مجھے فخر ہے کہ تمہاری تعلیم کا بہترین پھل میں نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

براے کارڈ لاتا ہے اور علیم الدین کو دیتا ہے۔ وہ عینک لگا کر پڑھتا ہے۔

مس روز الیسی"۔ یہ کون ہے۔ سلام دو۔

مس روز الیسی داخل ہوتی ہے۔ بڑے میاں کو دیکھکر حیرت زدہ ہوتی ہے۔ کلیم، منصور بدحواس ہونے لگتے ہیں۔

مس لیسی۔ میں نے شاید غلطی کی۔ معاف فرمایئے۔ میں ڈوالف ہوں ۲۲۹ میں بلائی گئی ہوں۔

کلیم۔ جی ہاں یہ ۲۲ ہے۔ داہنی طرف ۲۲۸ ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

علیم الدین۔ کلیم بیٹا مس صاحبہ کو نیچے تک پہونچا آؤ۔

مس لیسی۔ شکریہ۔

دونوں تبسم کے ساتھ باہر چلے جاتے ہیں۔

علیم الدین بیمار کو دیکھنے پہلو کے کمرے میں چلا جاتا ہے۔

منصور۔ (آپ ہی آپ) سب بلائیں بیک وقت ہمارے سر پر آپڑنے کو تیار تھیں اور اسی ایک گھڑی کی منتظر تھیں۔ (کلیم واپس آتا ہے) کیوں یار اب تک تو ساری بلائیں خیر سے گذر گئیں۔ مگر مجھے شگون اچھے نظر نہیں آتے۔

کلیم۔ روزی کی تعریف نہ کروگے کیا خوب پارٹ کیا ہے۔

علیم الدین واپس آتا ہے۔

پولیس انسپکٹر، دو کانسٹبل، اور لے ٹی دت نمایندہ ربر پاپوش کمپنی داخل ہوتے ہیں۔

علیم الدین۔ آپ لوگوں نے کیوں کرم فرمایا ہے؟

انسپکٹر۔ اس کمرے میں مسٹر کلیم الدین ایم۔ اے، بی کام رہتے ہیں۔

دت۔ میں شناخت کرتا ہوں کہ (کلیم کو بتاکر) یہی ملزم ہے۔

علیم الدین۔ پہلے آپ مجھے واقعہ بتایئے۔ میں سرکاری وظیفہ خوار سشن جج علیم الدین ہوں ابھی بیرونی ممالک سے واپس آرہا ہوں اور یہ نوجوان میرا لڑکا ہے۔ بھتیجا۔ شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

انسپکٹر۔ (ہاتھ ملاکر) آداب عرض ہے۔ میں آپ کے نام سے واقف ہوں۔ معاف فرمایئے فرض سے مجبور ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس منتظمین (دت کو بتاکر) کی اطلاع پر میں کالی گھاٹ سے ایک بوڑھے فقیر کی چوری کی تحقیقات میں آیا ہوں۔

علیم الدین۔ چوری؟ فقیر کی چوری؟ کیا معنی؟ جواہرات سے لیکر پن کی چوری سُنی ہے۔ یہ فقیر کی چوری کیسی۔

انسپکٹر۔ جی ہاں مجازاً چوری۔ کسی آدمی کو بجبر اُٹھالے جانا۔

فقیر دیوار کے سہارے لڑکھڑاتا کمرے میں پہونچ جاتا ہے

فقیر۔ کیا کہا دروغہ جی چوری؟ آپ کے سر کی بڑی چیز کی، پاک پروردگار کی قسم مدت ہوئی میں چوری کا پیشہ چھوڑ چکا ہوں، بھیک پر بسر کرتا ہوں۔ میں بے ہوش ادھ مرا سڑک پر پڑا تھا، ان سیٹھوں کا اللہ بھلا کرے، خبر نہیں مجھے کیسے اُٹھالائے ڈاکٹر سے علاج کرایا، صاف کپڑے اور بستر دئے اور ایسی غذا جو کبھی میرے باپ نے نہیں کھائی۔ اللہ سب کا بھلا کرے۔ داروغہ جی خدا گواہ ہے پانچ برس سے میں نے ایک سوئی نہیں چرائی، صرف بھیک کا گنہگار ہوں۔

انسپکٹر۔ ارے کلو تو ہے؟ لچا اٹھائی گیرا بدمعاش۔ ان بھلے آدمیوں کے ہاں پڑا چین اُڑا رہا ہے؟ اور خود ایک ہانڈی اشرفی کا مالک ہے؟

کلیم جھپٹ کر دت کو کونے میں دبوچتا ہے۔ منصور بیچ بچاؤ کرتا ہے۔ علیم الدین اور انسپکٹر دت کو ان کے ہاتھوں سے چھڑاکر کرسی پر بٹھاتے ہیں۔ ہاتھا پائی میں دت کی مونچھیں نیچے گر جاتی ہیں۔

انسپکٹر۔ یہ کیا! ابے یہ تو نرنجن داس ہے جو بجلی کمپنی ڈھاکہ کے ایجنٹ کی حیثیت سے گاہکوں سے دس ہزار روپے وصول کرکے روپوش ہے۔ لاؤ تو اپنا ہینڈ بیگ۔

کاغذات دیکھے جاتے ہیں۔ راجہ صاحب ہری پاڑا کے دس ایکڑ قطعہ زمین پر کسی کارخانہ کا قیام مشتبہ سمجھا جاتا ہے۔ ڈائرکٹروں کی فہرست میں اکثر نام نقلی ٹھہرتے ہیں۔ دت بھاگنا چاہتا ہے۔ منصور اُسے پکڑ لیتا ہے۔

انسپکٹر۔ سپاہیو، بابو صاحب کو گرفتار کرلو۔

سپاہی گرفتار کر لیتے ہیں

یہ ایک دلچسپ مقدمہ ہوگا۔ کلیم صاحب اس تکلیف وہ مداخلت کو معاف فرمایئے گا۔ میں اپنے فرض سے مجبور تھا۔ نرنجن داس میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے خود مجھے ایک بڑی فکر سے نجات دلائی۔

علیم الدین۔ چاہ کن را چاہ در پیش۔

انسپکٹر سپاہی اور دت رخصت ہوتے ہیں۔

محمد مسلم